

آفات و مصائب میں مومن کا رویہ

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

آفاتِ سماوی، وبائیں، سیلاب، طوفان، زلزلے یہ سب عذاب ہیں، آزمائش ہیں، تنبیہ و عبرت یا یہ محض ایک کائناتی اور فطری عوامل کے تحت رونما ہونے والے واقعات و حوادث؟ منکرین مذہب ان حادثات کی محض واقعاتی توجیہ کو اہمیت دیتے ہیں لیکن ایک بندہ مومن کا نقطہ نظر اس سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔ وہ حوادث کے واقعاتی عوامل کے ساتھ ان کے پس منظر میں اللہ کی مرضی کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو جب بیماری لاحق ہوتی ہے اور پھر اللہ اسے صحت یاب کر دیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ اور آئندہ کے لیے نصیحت بن جاتی ہے، جب کہ منافق جب بیمار پڑتا ہے اور صحت یاب ہوتا ہے تو اس کی حالت اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جسے نہیں معلوم کہ اس کے مالک نے اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا؟ (ابوداؤد: ۳۰۸۹)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مومن کی مثال گندم کی بال (خوشے) کی طرح ہے کہ ہوا چلنے سے کبھی نیچے ہوتی ہے تو کبھی سیدھی، جب کہ کافر کی مثال صنوبر کے درخت کی ہے، جو ہمیشہ اکڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا“۔ (مسند احمد)

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال کھیتی کے نرم پودے کی طرح ہے۔ ہوا چلتی ہے تو اسے ایک جانب جھکا دیتی ہے، ہوا رکتی ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے، یعنی بلا سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور فاسق و بدکار کی مثال صنوبر کے درخت کی

سی ہے جو اکر کر سیدھا کھڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ چاہتا ہے، اسے بیخ و بن سے اکھیڑ پھینک دیتا ہے (بخاری: ۵۶۴۴)

قرآن کے مطابق انسان کے لیے اس کی ناگوار چیزیں ہی نہیں پسندیدہ چیزیں بھی ذریعہ آزمائش ہیں:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَنَبَلُّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْحَيْرِ فِثْمَةً ط وَاللَّيْنَا نُزْجَعُونَ ﴿۳۵﴾
 (الانبیاء: ۳۵) ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم اچھے اور بُرے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ اور آخر کار تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہے۔
 مراد یہ کہ جب انسان کو موت کے بعد ہماری طرف پلٹنا ہی ہے تو خیر و شر کی اس آزمائش میں دوران زندگی ہی رب کی طرف رجوع کیوں نہیں کر لیتے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَبَلَّوْا لَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾ (الاعراف: ۱۶۸) اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں سے ان کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔
 آسائش و آرام کی آزمائش ہو یا تکلیف اور مصیبت کی، سب کا مقصد بندوں کو ان کے رب کی طرف پلٹنے اور رجوع کرنے پر آمادہ و تیار کرنا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کا اظہار یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں حسن عمل اختیار کر لے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِيَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۱۸﴾ (الکہف: ۱۸)
 زمین میں جو کچھ بھی سرسماں ہے، اسے ہم نے زمین کی زینت بنا دیا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

آزمائش: اللہ کی طرف پلٹنے کا موقع

یہ خوب صورت سرزمین، جسے اللہ نے ندی نالوں، دریاؤں، آبشاروں، پہاڑوں، میدانوں، سمندروں، شجر و حجر اور چرند پرند سے زینت بخشی تھی، انسان کی ملک گیری کی ہوس اور سرمایہ پرستی نے اس کی فطری زینت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سرمایہ پرستی کے زیر تسلط سائنسی ترقی نے جنگی حیات برباد کر دی، آبی جانوروں کی ہلاکت کا سامان کر دیا۔ ہوا اور فضا کو اس قدر آلودہ کر دیا کہ تیزی سے موسمیاتی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ حُبِ عاجلہ اور جلد ملنے والے نفع کے لالچ میں

کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا اخراج اتنا زیادہ ہو چکا ہے کہ انسانی زندگی کے لیے صاف ہوا کا حصول بھی شاید سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر ہوگا۔ زمینی پانی کے سوتے خشک ہوتے جا رہے ہیں اور جو پانی باقی بچا ہے وہ زہر آلود ہوتا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ تمام فساد انسانی ہاتھوں کی کمائی ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان جو کچھ بھگت رہا ہے، اس میں رجوع الی اللہ کا بھی امکان موجود ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيَلْبِئِلَهُمْ بِغَضِّ الَّذِي
عَمَلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۰﴾ (الروم: ۳۰) خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں
کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ
باز آجائیں۔

انسان پر جتنی آفتیں و باؤں، امراض، طوفانوں اور زلزلوں کی صورت میں آتی ہیں، وہ بڑے عذاب کے مقابلے میں بہت چھوٹی سزائیں ہیں کیونکہ ان سزاؤں کا مقصد تو انسان کو رجوع الی اللہ کی طرف متوجہ کرنا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو آنے والے بڑے عذاب سے بچ سکتا ہے:

وَلَنذِيقَهُنَّ مِنَ الْعَذَابِ الْأَلَدِيِّ لَوْلَا أَلَّا كَبُرَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾
(السجدہ ۳۱: ۳۲) اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم اسی دنیا میں (کسی نہ کسی چھوٹے)
عذاب کا مزا انھیں چکھاتے رہیں گے، شاید کہ یہ (اپنی باغیانہ روش) سے باز آجائیں۔
قوم فرعون کو بھی بڑی تباہی سے پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں کا شکار کیا گیا۔ کبھی کھٹل کا
عذاب، کبھی خون کا اور دیگر عذاب، تاکہ وہ پلٹ آئیں:

وَمَا نُؤْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتَيْهَا ۚ وَآخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ ﴿۳۳﴾ (الزخرف ۳۳: ۳۸) ہم ایک پر ایک ایسی نشانی ان کو دکھاتے چلے گئے جو
پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی، اور ہم نے ان کو عذاب میں دھریا کہ وہ اپنی روش سے باز آئیں۔
لیکن جو قومیں رب کی طرف پلٹنے کی بات کو نشانی نہ تضحیک بنائیں، ان کے نفس کا غرور اور
تکبر انھیں وہیں پہنچا دیتا ہے جہاں فرعون اور اس کے لشکر پہنچ گئے:

وَأَسْتَكْبَرُوا هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجِعُونَ ﴿۳۴﴾
فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

(القصص: ۲۸-۳۹-۴۰) اس [فرعون] نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انھیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

تباہ شدہ اقوام کی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے رجوع کے مواقع کو گنوا دیا:

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مِمَّا حَوَّلَكُمْ رَبِّنَا مِنَ الْقُرَىٰ وَصَوَّرْنَا الْأَلْبَابَ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾
(الاحقاف: ۲۶-۲۷) تمہارے گرد و پیش کے علاقوں میں بہت سی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ ہم نے اپنی نشانیاں بھیج کر بار بار طرح طرح سے ان کو سمجھایا، شاید کہ وہ باز آجائیں۔

اللہ کی گرفت کا قانون

وہ عذاب کہ جس کے نتیجے میں پوری کی پوری سرکش قومیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں اور اہل ایمان کو ان میں سے چھانٹ کر مامون و محفوظ نکال لیا گیا، انبیاء کی مخاطب اقوام پر واقع ہوا۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوم پر نہ صرف دعوت و تبلیغ اور اپنے عمل کی شہادت سے ان پر اتمام حجت کر چکے ہوتے ہیں بلکہ وہ عقل کو اپیل کرنے والے دلائل کے ساتھ ساتھ عقل کو عاجز کرنے والے معجزات اور کھلی کھلی نشانیاں دکھا کر بھی حق کا حق ہونا اور اپنے نبی ہونے کو واضح کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے قوم نوح ہو یا عاد و ثمود، قوم مدین ہو یا آل فرعون، ان میں سے اہل حق کو نکال کر اہل باطل کو نیست و نابود کر دیا گیا، یا اہل حق کو باطل پر فتح دے دی گئی۔ انبیاء کے علاوہ اہل حق چونکہ انبیاء کی طرح دعوت دین کے ابلاغ کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لیے ان کی مخاطب اقوام پر اللہ بھی وہ سخت فیصلہ نافذ نہیں کرتا کہ پوری کی پوری قوم صفحہ ہستی سے مٹا دی جائے، البتہ انسانیت کی رہنمائی اور بالادستی سے متعلق استبدال قوم اور قوموں کے عروج و زوال کا عمل جاری رہتا ہے۔ کوئی قوم یا فرد ظلم و سرکشی اور تکبر میں حد سے بڑھ جائے تو اللہ اس پر گرفت ضرور کرتا ہے، البتہ ایک ایک جرم پر سزا دینا سنت الہی نہیں ہے:

وَلَوْ يَأْخُذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهِمَا صِرَاطًا وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ

إِنِّي أَجَلٌ مُّسْتَسْتَجِي ۖ (فاطر ۳۵: ۳۵) اگر کہیں وہ لوگوں کو ان کے کیے کرتوتوں پر پکڑتا تو زمین پر کسی مفسس کو جیتا نہ چھوڑتا۔ مگر وہ انھیں ایک مقرر وقت تک کے لیے مہلت دے رہا ہے۔

اللہ انسان کو غلطی پر سنبھلنے کا موقع دیتا ہے۔ اگر ایک ایک عمل پر فوری سزا ملتی تو انسان کی آزمائش بھی ممکن نہیں تھی۔ آزمائش ہی یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کی گرفت کو دیکھے بغیر مانتا ہے کہ نہیں؟

رجوع الی اللہ کا مفہوم اور تقاضے

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اللہ کی طرف سے جتنی سختیاں آتی ہیں، وہ درحقیقت رجوع الی اللہ کی طرف مائل و متوجہ کرنے کے لیے ہیں، یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ رجوع الی اللہ کس رویے کا نام ہے؟ کیا محض اللہ اللہ کرنے، دعائیں مانگنے اور کانوں کو ہاتھ لگانے کا یا کہ اس سے کچھ زیادہ؟

• توبہ و استغفار: رجوع الی اللہ کی اہم صورت ظالمانہ رویے سے استغفار ہے۔ ارشاد

الہی ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾ (النساء ۴: ۶۴) جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے، اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر اسے کسی دوسری جگہ رکھنا ظلم کہلاتا ہے، وضع شی فی غیر محلہ۔ عبادت اللہ کا حق ہے۔ اس کی بجائے کسی اور کے لیے مراسم عبودیت ادا کرنا شرک اور اللہ نے اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان ۳۱: ۱۳) ”حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اللہ نے بندوں پر فرض کیا ہے۔ اللہ کے اس حق کو ادا نہ کرنا ظلم ہے۔ اسی طرح اللہ نے والدین اور اولاد کے، میاں بیوی اور رشتہ داروں کے، پڑوسی، استاد، شاگرد، حاکم و رعایا کے حقوق مقرر کیے ہیں۔ حکومت اور معاشرے نے انسانوں کے انسانوں پر کچھ حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں۔ اب جو ان حقوق کو پامال کرتا ہے، وہ ظالم ہے۔ حتیٰ کہ غیبت،

طعنہ زنی، عیبوں کی ٹوہ لگانا، بدگمانی کرنا، نام بگاڑنا، ان سب کو اللہ نے ظلم قرار دیا ہے اور ان سے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَتُوبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱﴾ (الحجرات ۴۹:۱۱) ”جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں“۔ ہمارے ہاں قتل، چوری، ڈاکا زنی، بدکاری کو تو ظلم سمجھا جاتا ہے لیکن مذکورہ معاشرتی برائیوں کو ظلم سمجھا ہی نہیں جاتا کہ جن سے بڑے بڑے فتنے برپا ہوتے ہیں، اور جب انھیں ظلم سمجھا نہیں جائے گا تو ان سے توبہ کرنے کا خیال کیسے آئے گا؟ کسی بھی قوم کی تباہی کا بڑا سبب اس کا ظالمانہ رویہ ہے:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾ (القصص ۲۸:۵۹) اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے رہنے والے ظالم نہ ہو جاتے۔
ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے دور میں زلزلہ آیا تو انھوں نے زمین پر پاؤں مارا اور فرمایا: ”اے زمین تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر انصاف سے حکومت نہیں کی؟“
انسان ظلم کر بیٹھے تو استغفار کا حکم ہے، یعنی غلطی کی اصلاح کرنا، غلط رائے، غلط تدبیر، غلط فیصلے پر نظر ثانی کرنا۔ افراد بھی استغفار کریں اور قوم بھی۔ تمام گناہوں اور زیادتیوں سے احساسِ ندامت کے ساتھ توبہ کرنا۔ آئندہ ظلم نہ کرنے کا عزم، جس سے زیادتی کی ہے، اس سے معافی چاہنا، جس کا حق دیا ہے اس کا حق ادا کرنا۔ یہ ہے استغفار۔ اگر ہم ایسا کر لیں تو آفات و مصائب کا ملنا یقینی ہے:
وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۸﴾ (الانفال ۸:۳۳) اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دے دے۔

انسان سے غلطی کا ہونا اتنی بڑی غلط بات نہیں جتنا کہ غلطی پر اڑ جانا غلط ہے۔ افراد سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور تنظیموں، اداروں اور حکومتوں سے بھی۔ ان پر نظر ثانی کرتے رہنا بھی استغفار کی ایک شکل ہے۔ یہ استغفار زبان سے بھی ہوگا اور عمل سے بھی۔ اللہ کے رسولؐ دن میں سو سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو عذاب سے بچنے کے لیے یہی دعوت دی تھی:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ (نوح ۱۰:۱۰) میں نے کہا: ”اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے“۔

● شکر گزاری: عذاب ثلے کا یقینی ذریعہ شکر گزاری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرُكُمْ وَأَمْنُكُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿۱۳۷﴾ (النساء: ۳: ۱۳۷) آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان اور سب کے حال سے واقف ہے۔

ایسا جانور جو تھوڑا چارہ کھا کر موٹا تازہ نظر آئے اور دودھ بھی زیادہ دے عربی میں اسے ذابۃ شکوراً کہتے ہیں۔ گویا انسان کا اللہ کی چھوٹی سی نعمت پر بھی احسان مند ہونا، ملی ہوئی نعمت کی قدر کرنا شکر ہے۔ انسان پر اللہ کی نعمتیں تھوڑی نہیں بلکہ اتنی زیادہ ہیں کہ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ط (النحل: ۱۶: ۱۸) ”اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو نہ کر سکو گے“۔ لیکن انسان دوسرے کے مقابلے میں خود کو ملی ہوئی نعمتوں کو حقیر سمجھتا ہے اور یہ ناشکری ہے۔ قرآن نے قوم سبأ کی خوش حالی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

كُلُّوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ط (السبأ: ۳۴: ۱۵) کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجالاؤ اُس کا۔

لیکن انھوں نے اس ہدایت سے منہ موڑا تو بند توڑ سیلاب کے نتیجے میں ان کے باغات جھاڑ جھکار بن کر رہ گئے اور اللہ نے اس کی وجہ یہ بتائی:

ذٰلِكَ جَزَايَنَّهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ط وَهَلْ نُجِزِيْ اِلَّا الْكَافِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ (السبأ: ۳۴: ۱۷) یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا، اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔

آج زرعی و معدنی وسائل اور موسموں کی سازگاری کے اعتبار سے اسلامی ممالک جتنی نعمتوں سے مالا مال ہیں، شاید ہی کوئی دوسری قوم اتنی خوش قسمت ہو لیکن یہ ناشکری کا رویہ ہے کہ ذات سے لے کر خاندان تک، معاشرے سے لے کر بین الاقوامی ایوانوں تک، ہم اپنے وسائل کو ضائع کر رہے ہیں۔ یہ بھی نعمتوں کی ناشکری ہے۔ دوسری طرف حقوق اور ترقی کی جنگ کے مغربی تصور نے بحیثیت مجموعی انسانی مزاج میں ناشکر گزاری کی پرداخت کی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں پوری انسانیت زرعی اور معدنی وسائل اور خوراک کے وافر ذخائر ہونے کے باوجود بھوک اور خوف کا

شکار ہے۔ قرآن کے مطابق یہ سزا ہے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی:

وَصَبَّرَ اللَّهُ مَثَلًا قَرِيْبَةً كَانَتْ اٰمِيْنَةً مُّطْمَئِنِّتَةً يَّاتِيْنَهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ تَحْتِ الْمَكَانِ
فَكَفَّرَتْ بِأَنْعَمِ اللّٰهِ فَاذْقَهَا اللّٰهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
(النحل: ۱۱۳) اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر
کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو با فراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا
کفران شروع کر دیا۔ تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا
کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔

شکرگزاری کے جذبات دل میں بھی موجزن ہوں اور حاصل شدہ نعمتوں کا اعتراف زبان
پر بھی آنا چاہیے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی: **وَأَقِمَّ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾**
(الضحیٰ: ۱۱:۹۳) ”اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو“۔ اس آیت کی رو سے نعمتوں کا صحیح استعمال
اپنی ذات پر بھی ہو اور اس میں محروم لوگوں کو بھی شامل کیا جائے کہ ملی ہوئی نعمتوں میں سائل اور
محروم کا ایک متعین حق ہے: **وَالَّذِيْنَ فِيْ اٰمَوٰ اِلٰهِهِمْ حَقٌّ مَّا عَلَوْهُمْ ﴿۱۱﴾ لِيَلْسَآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۲﴾**
(المعارج: ۷۰-۲۴-۲۵)۔ شکرگزاری نعمتوں میں اضافے کا ذریعہ بنتی ہے، جب کہ ناشکری اللہ
کے عذاب کا باعث بنتی ہے: **لٰكِيْنَ شَكَرْتُمْ لَّا يُزِيْدَنَّكُمْ وَّلٰكِيْنَ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۳﴾**
(ابراہیم: ۱۳:۷) ”اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو
میری سزا بہت سخت ہے“۔

● **تجدید ایمان: عذاب سے بچنے کے لیے تجدید ایمان کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ سورہ نساء**
میں نجات کے لیے شکرگزاری کے ساتھ ساتھ ایمان کی روش کو نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذٰبِكُمْ اِنَّ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴﴾
(النساء: ۱۴:۷) آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار
بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان اور سب کے حال سے
واقف ہے۔

لہذا جو ایمان نہیں لائے، وہ ایمان لائیں جیسے حضرت یونسؑ کی قوم عذاب کو دیکھ کر بحیثیت

قوم ایمان لے آئی اور عذاب ان سے ٹل گیا، اور جو پہلے سے مومن ہوں، وہ اپنے ایمان کی تجدید کریں۔ آثار صحابہؓ کے مطابق صحابہؓ ایک دوسرے کو تجدید ایمان کی یاد دہانی کروایا کرتے تھے۔ مغربی تہذیب نے نفوس انسانی میں کہیں سائنس کی خدائی کا سکہ جما دیا ہے تو کہیں قومیت کو خدائی کے مقام پر بٹھا دیا ہے۔ انسانیت پرستی (Humanism) کے نام پر انسانی خواہش نفس کو 'الہ' کا درجہ دے دیا ہے۔ معیشت و سرمایہ کے دیوتا کی پرستش بھی اس تہذیب کا خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت خدا کے بغیر گزارا نہیں کر سکتی۔ جب اصل خدا کو معاشرت و معیشت اور تمدن و سیاست سے بے دخل کر دیا گیا تو کسی کو تو خدا کے مقام پر بٹھانا تھا، سو مغرب نے کئی طرح کے بت تراشے لیکن افسوس کہ مسلمانوں کے ماہرین معیشت و سیاست کی اکثریت بھی انہی بتوں کے سامنے سجدہ ریز دکھائی دیتی ہے۔

● اصلاح معاشرہ کے لیے جدوجہد: عذاب الہی سے بچنے کا نازیر تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں اصلاح کی کوشش کرنے والے افراد، مؤثر طور پر موجود ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُنزِلَ الْفُرْقَانَ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ عَاقِلِينَ ﴿١١٦﴾ (ہود: ۱۱۶) تیسرا باب

ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

قوموں کا بگاڑ جب بگاڑ اور سرکشی چاہنے والوں کی وجہ سے بڑھتا ہے تو ان کے مقابلے میں خیر و صلاح چاہنے والوں کا سرگرم ہونا بھی ضروری ہے:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا (ہود: ۱۱۶) پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم۔

ان دونوں آیات کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں: ”پچھلی انسانی تاریخ میں جتنی قومیں بھی تباہ ہوئی ہیں، ان سب کو جس چیز نے گرایا، وہ یہ تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا تو خوش حالی کے نشے میں مست ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے لگیں اور ان کا اجتماعی

ضمیر اس درجہ بگڑ گیا کہ یا تو ان کے اندر ایسے نیک لوگ باقی رہے ہی نہیں جو ان کو بُرائیوں سے روکتے، یا اگر کچھ لوگ ایسے نکلے بھی تو وہ اتنے کم تھے اور ان کی آواز اتنی کمزور تھی کہ ان کے روکنے سے فساد نہ رُک سکا۔ یہی چیز ہے جس کی بدولت آخر کار یہ تو میں اللہ تعالیٰ کے غضب کی مستحق ہوئیں، ورنہ اللہ کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ وہ تو بھلے کام کر رہے ہوں اور اللہ ان کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔ اس ارشاد سے یہاں تین باتیں ذہن نشین کرنی مقصود ہیں:

”ایک یہ کہ ہر اجتماعی نظام میں ایسے نیک لوگوں کا موجود رہنا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دینے والے اور شر سے روکنے والے ہوں۔ اس لیے کہ خیر ہی وہ چیز ہے جو اصل میں اللہ کو مطلوب ہے، اور لوگوں کے شر کو اگر اللہ برداشت کرتا بھی ہے تو اس خیر کی خاطر کرتا ہے جو ان کے اندر موجود ہو، اور اُسی وقت تک کرتا ہے جب تک ان کے اندر خیر کا کچھ امکان باقی رہے۔ مگر جب کوئی انسانی گروہ اہل خیر سے خالی ہو جائے اور اس میں صرف شریر لوگ ہی باقی رہ جائیں، یا اہل خیر موجود ہوں بھی تو کوئی ان کی سن کر نہ دے اور پوری قوم کی اخلاقی فساد کی راہ پر بڑھتی چلی جائے، تو پھر خدا کا عذاب اس کے سر پر اس طرح منڈلانے لگتا ہے جیسے پورے ذنوں کی حاملہ کہ کچھ نہیں کہہ سکتے کب اس کا وضع حمل ہو جائے۔

”دوسرے یہ کہ جو قوم اپنے درمیان سب کچھ برداشت کرتی ہو مگر صرف اُنھی چند گئے چنے لوگوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو جو اُسے بُرائیوں سے روکتے اور بھلائیوں کی دعوت دیتے ہوں، تو سمجھ لو کہ اس کے بُرے دن قریب آگئے ہیں، کیونکہ اب وہ خود ہی اپنی جان کی دشمن ہو گئی ہے۔ اسے وہ سب چیزیں تو محبوب ہیں جو اس کی ہلاکت کی موجب ہیں اور صرف وہی ایک چیز گوارا نہیں ہے جو اس کی زندگی کی ضامن ہے۔

”تیسرے یہ کہ ایک قوم کے بتلاے عذاب ہونے یا نہ ہونے کا آخری فیصلہ جس چیز پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں دعوتِ خیر پر لپیک کہنے والے عناصر کس حد تک موجود ہیں۔ اگر اس کے اندر ایسے افراد اتنی تعداد میں نکل آئیں جو فساد کو مٹانے اور نظامِ صالح کو قائم کرنے کے لیے کافی ہو تو اس پر عذاب عام نہیں بھیجا جاتا بلکہ ان صالح عناصر کو اصلاحِ حال کا موقع دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر پیہم سعی و جہد کے باوجود اس میں سے اتنے آدمی نہیں نکلتے جو اصلاح کے لیے کافی ہو سکیں،

اور وہ قوم اپنی گود سے چند ہیرے پھینک دینے کے بعد اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیتی ہے کہ اب اس کے پاس کوئلے ہی کوئلے باقی رہ گئے ہیں، تو پھر کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی کہ وہ بھٹی سگا جاتی ہے جو ان کوئلوں کو پھونک کر رکھ دے۔ (تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۳۷۲-۳۷۳)

رجوع الی اللہ کی فکر کیجیے!

آزمائش کی اس گھڑی میں اسوۂ رسولؐ کی روشنی میں رجوع الی اللہ وقت کا تقاضا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کریں۔ نافرمانی اور غفلت اور دورگی اور منافقت کی روش کو ترک کر دیں۔ اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیں اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ دوسری طرف حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ وہ اسلامی نظامِ حکومت کو قائم کرے اور اللہ سے بغاوت کی روش کو ترک کر دے۔ رجوع الی اللہ کے نتیجے میں ہی ہم اللہ کی رحمت کے حق دار ٹھہریں گے اور اس وبا اور آزمائش سے بچ سکیں گے:

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ قَمَّاعًا حَسْبُنَا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَدَّدٍ
وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ط (ہود ۱:۳) اور تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی
طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدتِ خاص تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دے گا اور ہر صاحبِ فضل
کو اس کا فضل عطا کرے گا۔